بحث ونظر

قرآن کا تصوّرِ جنس

ڈاکٹر عبد المغنی

جنس غذا کی طرح انسان کی ایک فطری ضرورت ہے اور اس کی تکمیل اس سادگی سے ہونی چاہیے جس سادگی سے ضرورت غذا کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت الٰہی نے جنسی خواہش کی تسکین کے سامان اسی آسانی اور فراوانی سے کیے ہیں جس آسانی اور فراوانی سے خواہش غذا کی تسکین کے سامان قدرت کی طرف سے کیے گئے ہیں۔ لیکن جدید تمدن کے مغربی انداز نے جس طرح غذا کا ایک پیچیدہ مسئلہ پیدا کر دیا ہے اسی طرح جنس کا بھی۔ غذائی مسایل کے حل کے لیے آج کی غالب تہذیب نے معاشیات کے نظریات ترتیب دیے ہیں اور جنسی مسایل کے حل کے لیے نفسیات کے نظریات۔ دونوں نظریات کی بنیاد انسان اور انسان کے درمیان کش مکش پر ہے۔ یہ کش مکش معاشیات کے نقطۂ نظر سے طبقاتی ہے، جب کہ نفسیات کے نقطۂ نظر سے صنفی۔ یورپ اور امریکہ کے علما و حکما نے اپنے مشاہدات و تجربات کے نتیجے میں چند مفروضے قایم کر لیے ہیں اور انھیں اپنے علم و فن کے بنیادی اصول تسلیم کر کے انھیں کی بنا پر قیاسات کی زبردست عمارتیں تعمیر کر لی ہیں۔ اہل مشرق کے جدید تعلیم یافتہ حلقے، جو ایشیا و افریقہ میں برسر اقتدار ہیں، مغربی نظریات پر ایمان بالغیب لا چکے ہیں اور ان کی ساری سیاست انھی نظریات پر مبنی ہے۔ لہٰذا معیشت و معاشرت کے رائج الوقت ضابطے اور منصوبے موجودہ دنیا کے تقریباً تمام ہی خطوں میں انھی نظریات یا ان سے پیدا ہونے والے تصورات کی روشنی میں تشکیل دیے گئے ہیں۔ ان ضابطوں اور منصوبوں نے پورے انسانی معاشرے کو تباہ کر دیا ہے۔ اس تباہی کے سبب انسانیت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ معدودے چند افراد عیش کے تمام وسایل پر قابض ہیں، لیکن باقی تمام افراد ایک معمولی زندگی کے وسایل سے بھی محروم ہیں۔ نتیجے کے طور پر عالم انسانیت ایسی سخت کشیدگی سے دوچار ہے جس کا انجام پوری نسل انسانی

کی خودکشی یا قتل کے سوا کچھ نہیں۔ ذہین ترین دانش ور اس ہول ناک انجام کے تصور سے لرزہ براندام ہیں، مگر وہ عصر حاضر کے فکری طلسمات میں اس درجہ اسیر ہیں کہ نہ تو اصل مرض کی صحیح تشخیص کر سکتے ہیں نہ اس کا علاج تجویز کر سکتے ہیں۔ مذہب کو عہد وسطی کے "تاریک دور" کا ورثہ قرار دے کر زندگی کے معاملات سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ چناں چہ اخلاقی اقدار اب محض رسوم و روایات سمجھی جاتی ہیں اور ان کے مقابلے میں خواہشات نفس یا ضروریات جسم کی تسکین و تکمیل کے لادینی نسخوں کا استعمال کثرت وشدت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ پیہم تجربات ہو رہے ہیں اور خود ساختہ نظریات مسلسل بدلتے رہتے ہیں۔ تغیّر اور تفنن کے اس چکر میں حیات کے سرچشمے نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا زندگی اپنے مرکز سے ہٹ کر خلاؤں میں گھوم رہی ہے۔ افراد کے کردار کی تعمیر اور معاشرے کے معاملات کی تنظیم کا کوئی محور نظر نہیں آ رہا ہے۔ روحانی احساسات سے خالی مادی ترقیات انتشار اور تخریب کے شخصی و اجتماعی عوامل کی پرورش کر رہی ہیں۔ انتہا پسندی تہذیبی توازن کو برہم کر رہی ہے۔

یہ برہمی جنسی معاملات میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اب جنس کا تعلق ایک بالغ مرد اور ایک بالغ عورت تک محدود نہیں رہ گیا ہے۔ ہم جنس سے لے کر نابالغوں کے ساتھ بدسلوکی تک، طرح طرح کے انحرافات جنس کے فطری رشتے میں روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ قتل کی واردات اور اعضائے جنسی کی قطع و برید تک نوبت آ گئی ہے۔ اس عالم میں جنس سے لذت کشی کی کوشش جتنی جتنی بڑھتی جا رہی ہے ناآسودگی اور پراگندگی بھی اتنی ہی بڑھ رہی ہے۔ جدید انسان قدیم ترین انسان کی طرح آلۂ تناسل کی پرستش کرتا نظر آ رہا ہے۔ نسوانی اعضا کی نمائش موجودہ تمدن کے کاروبار کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئی ہے اور تہذیب جدید کے فنون لطیفہ کا سب سے دل چسپ شغل نسائیت کی اداؤں کی پیکر تراشی ہے۔ جنس زدگی کی یہ وبا برق رفتار وسایل نشر و اشاعت کے ذریعہ تیزی سے سماج میں پھیلتی جا رہی ہے۔ اس غلط صورتِ حال کا نتیجہ نفسیاتی الجھنوں کی شکل میں برآمد ہوا ہے۔ ان الجھنوں کی شکل میں برآمد ہوا ہے۔ ان الجھنوں کے سبب معاشرے پر نیم دیوانگی کی کیفیت طاری ہے۔ اس مرض کے علاج کے لیے تحلیل نفسی کا طریقہ تجویز کیا گیا ہے۔ فرائیڈ کا مکتب فکر ایک نیا مذہب بن کر سامنے آیا ہے۔ اس یہودی مفکر نے یونانی اوہام وخرافات کی ایک شخصیت ایڈی پس کے نام پر ایک کمپلکس کو فطرت انسانی کی کلید قرار دے دیا ہے، جس کا

مطلب یہ ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہیں جنسی لذت کشی شروع کر دیتا ہے، اس لیے کہ یہی اس کی جبلت ہے، اور جیسے جیسے عمر بڑھنے کے ساتھ تعلیم و تربیت کے باعث اس جبلت کی تسکین میں معاشرتی آداب کے تحت رکاوٹ پڑتی جاتی ہے ویسے ویسے انسانی نفسیات میں گرہیں پڑتی جاتی ہیں، جو جمع ہو کر طبیعت اور مزاج کا ایک انداز بنا دیتی ہیں۔ یہی انداز آگے چل کر بعض حالات میں اعصابی خلل پیدا کرتا ہے اور انسان کی شخصیت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ یہ حالات موجودہ سماج میں اتنے عام ہو گئے ہیں کہ اکثر اشخاص کے اکثر افعال کے محرکات نفسانی ہوتے ہیں، اگرچہ ان پر بسا اوقات اخلاقیات کا پردہ پڑا ہوتا ہے۔

عصرِ حاضر میں جنس اور نفس کی اس تصویر کا پس منظر مسیحی معاشرہ ہے جسے اہلِ مغرب انسانی معاشرے کے مترادف تصور کرتے ہیں اور سیاست و معیشت نیز علوم و فنون میں ان کے عالم گیر غلبے کے سبب اب یہی عالمی معاشرہ ہے۔ چنانچہ جنس کے متعلق نفسیات کے سارے تخیلات درحقیقت مسیحی معاشرے کی اخلاقی قدروں کے خلاف ایک ردِّ عمل ہے۔ یہ حقیقت آج کے ہندوستان میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوششوں کا ایک تنقیدی جائزہ لینے سے واضح ہو جائے گی۔ ۱۸۵۷ء تک ملک میں دیوانی و فوجداری کے وہ ضابطے نافذ تھے جو مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں تشکیل دیے تھے۔ لیکن ملک پر انگریزوں کے مکمل قبضے کے بعد ۱۹۰۰ء تک مسلم دور کے ان ضابطوں کا عمل دخل آہستہ آہستہ تقریباً ختم ہو گیا اور بیسویں صدی میں فرنگی قانون پورے طور پر ملکی قانون بن گیا، جس سے الگ چند معاشرتی امور میں مسلم پرسنل لا کے نام سے ایک قانونِ شریعت محدود پیمانے پر باقی رہنے دیا گیا۔ آزادی کے بعد ہندو کوڈ بل اس شان سے ترتیب دیا گیا کہ رومی مسیحی قانون پر مشتمل کوڈ آف نپولین کو ماخذ تسلیم کر لیا گیا، یعنی برطانوی سامراج سے سیاسی طور پر آزاد ہو کر ہندوستان کی اکثریت نے اس سامراج کے روشناس کیے ہوئے قانون کو اپنا قانونِ معاشرت مان لیا، اس لیے کہ اس اکثریت کے روشن خیال سمجھے جانے والے اصحابِ اقتدار کے نزدیک یہی بہترین معاشرتی ضابطہ تھا، اور اب اسی مغربی ضابطے کو پورے ملک کا یکساں سول کوڈ بنایا جا رہا ہے، یعنی مسلم پرسنل لا کو بھی ہندو کوڈ بل میں، جو دراصل فرنگی کوڈ کو بل ہے، ضم کرنے کا اقدام کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ کوڈ آف نپولین دراصل وہ ضابطہ ہے جو مصر پر قبضے کے بعد نپولین نے قرآن کے تجویز کردہ اسلامی ضابطۂ معاشرت سے متاثر ہو کر رومی مسیحی قانون کے اندر زبردست اصلاح کر کے تشکیل دیا تھا اور بعد میں پورے

یورپ نے اسے اپنا معاشرتی قانون تسلیم کرلیا۔ اس قانون میں اسلامی اصلاحات کے باوجود پرانے رومی مسیحی ضابطے کے متعدد بنیادی اصول باقی رہ گئے، جن کے سبب یہ قانون ناقص ہی رہا اور آج یورپ اور امریکہ کے مرد وزن اس غلط قانون کی دھجیاں اڑا رہے ہیں، یہاں تک کہ اس سے برگشتہ ہوکر غیر قانونی قسم کی ایسی جنسی زندگی گزار رہے ہیں جس کی خرابیوں نے مغرب کے خاندانی و معاشرتی نظام کو برہم کردیا ہے اور مغربی تہذیب اقبال کے بہ قول اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کررہی ہے۔

مغربی تہذیب مسیحیت کے اصول تجرد کے خلاف وہ ردّ عمل ہے جو تعیش کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ روایتی مسیحی عقاید میں جنس کو نگاہ حقارت سے دیکھا گیا ہے اور جسم کے تقاضوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بات فطرت کے خلاف تھی، لہٰذا جب یورپ میں مذہب کی مخالفت شروع ہوئی تو جنس کے متعلق کلیسا کا غیر فطری رویہ بھی موضوع تنقید بنا، یہاں تک کہ جب مسیحی معاشرے میں لادینیت کو رسوخ حاصل ہوگیا اور مذہب کو اجتماعی امور سے الگ کرکے عبادات تک محدود کردیا گیا تو ایسے علما و حکما پیدا ہوئے جنھوں نے سرے سے جنس پر لگی ہوئی تمام اخلاقی بندشوں کو نامعقول اور ناقابلِ عمل قرار دے دیا، بلکہ ان بندشوں سے پیدا ہونے والے نفسیاتی دباؤ کو اعصابی امراض کا باعث اور معاشرتی بے اطمینانی کا سبب بتایا۔ فرائیڈ کا خیال ہے کہ یہ بندشیں نفسیاتی طور پر مرد و عورت کو اتنا مفلوج کردیتی ہیں کہ شادی کے بعد بھی وہ جنسی آسودگی حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں:

> "ناواقف اشخاص بہ مشکل یقین کریں گے کہ ہماری متمدن جنسی اخلاقیات کے زیرِ تسلط زندگی بسر کرنے والے شادی شدہ جوڑوں کے درمیان شاذ و نادر ہی معمولی قوت مردانگی پائی جاتی ہے، جب کہ عورتیں اکثر منجمد سی رہتی ہیں۔ نتیجتہً شادی کے بعد بھی مرد و زن دونوں حصول لذت سے اس درجہ محروم رہتے ہیں کہ شادی شدہ زندگی کی مطلوبہ مسرت انھیں حاصل نہیں ہوتی۔"
>
> (بہ حوالہ "سگمنڈ فرائیڈ" از والٹر ہولی شر، ۱۹۴۶، صفہ ۱۵)

اس صورتِ حال سے والٹر ہولی شر تہذیب انسانی کے متعلق ایک ہول ناک نتیجہ نکالتا ہے:

> "کسی سماج میں جنسی فعل پر بہت زیادہ پابندی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے متعلق اندیشہ اور موت سے خوف بڑھ جاتا ہے۔ اس سے فرد کی لطف اندوزی

کی صلاحیت پر اثر پڑتا ہے اور کسی مقصد کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگانے کے لیے اس کی آمادگی کم ہوجاتی ہے۔ اس قسم کے افراد میں اولاد پیدا کرنے کا میلان بھی کم ہوجاتا ہے اور وہ مستقبل کی تعمیر میں کوئی حصہ لینے سے محروم رہ جاتے ہیں۔" (ایضاً، ص۵۳)

یہی غلط اور تباہ کن نتیجہ ضبط ولادت کے ان مصنوعی طریقوں سے بھی نکل رہا ہے جو سماج میں ایک مفروضہ معیار رہایش کو باقی رکھنے یا حاصل کرنے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر اختیار کیے جارہے ہیں۔ زندگی کے غیر فطری اور نامعقول تصورات افراد کے اندر ایسی ناآسودگی پیدا کرتے ہیں جس کی موجودگی میں اعلیٰ انسانی مقاصد کا حصول ممکن نہیں ہوتا اور سماج پستی میں گرجاتا ہے، یہاں تک کہ نوعِ انسانی کی بقا بھی مشکوک ہوجاتی ہے اور مستقبل پر اعتماد باقی نہیں رہتا ہے۔ یہ نہ صرف تہذیبی زوال بلکہ حیاتیاتی انحطاط کی علامت ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس زوال وانحطاط کا ذمہ دار فرد ہے یا سماج؟ مسیحیت انسان کو گناہ گار قرار دیتی ہے، لہٰذا وہ فرد پر زیادہ سے زیادہ پابندی لگانا چاہتی ہے۔ لیکن مسیحی دنیا میں سیکولرزم کے عروج نے اولاً فرد کی آزادی کا نعرہ لگایا اور جب یہ آزادی حد سے بڑھ گئی تو سوشلزم کے فلسفے نے اس آزادی پر روک لگانے کی کوشش کی۔ بہرحال، ماحول کی درستگی فرد کی صحیح تربیت کے لیے ضروری ہے۔ ایک مغربی عالم نفسیات اپنی ایک کتاب میں موجودہ معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی دیوانگی کے تجزیے کا خاتمہ ان الفاظ پر کرتا ہے:

"دیوانگی یا اس کے ایک حصے کا انحصار فرد کی اندرونی خامیوں پر اتنا نہیں جتنا ان حالات پر ہے جن میں وہ زندگی بسر کرنے پر مجبور رہے اور مستقبل یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ فرد کو فنا کرنے کے بجائے حالات کو بدلنے کی ضرورت ہے۔"

(دی سائیکلوجی آف ان سینٹی از برنارڈ ہارٹ، ۱۹۲۶ء، ص۱۴۲-۱۴۱)

یہ ایک غیرمسیحی بیان ہے جو ایک عیسائی عالم نفسیات اپنے مشاہدات و تجربات کے مدنظر دینے پر مجبور ہوا ہے، اس لیے کہ اس میں فرد بشر کو فطری و ازلی طور پر مجرم سمجھنے کے بجائے اس کے قابل اصلاح نیز اصلاً معصوم ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ساتھ یہ تصور قایم کیا گیا ہے کہ اگر صحیح قواعد وضوابط کے ذریعہ ماحول کی اصلاح کردی جائے اور اس کو صالح رکھا جائے تو فرد کو راہ مستقیم پر چلنے اور ایک پاکیزہ زندگی گزارنے میں سہولت ہوگی۔ لیکن مغربی معاشرے میں

فساد کا سدباب نہیں کیا جاسکا، اس لیے کہ یورپ اور امریکہ کے پاس وہ معاشرتی قوانین نہیں ہیں جو ماحول کو درست رکھ سکیں۔ ان براعظموں میں مسیحیت کے زیر اثر ایک طرف چند زدگی پر غیر فطری پابندی ہے تو دوسری جانب طلاق کی آزادی نہیں۔ لہٰذا مرد و زن اپنے آپ کو ایک ایسے شکنجے میں پاتے ہیں کہ یا تو اس کے اندر گھٹ کر رہیں یا اسے توڑ کر راحت حاصل کریں۔ مادی نقطۂ نظر اور وسائل عشرت کی فراوانی انھیں حصول راحت کی طرف شدت سے مائل کر رہی ہے۔ چنانچہ جنسی انارکی مغربی معاشرے کا امتیازی نشان ہے اور اسی میں اس کی تباہی کا سامان مضمر ہے۔

مغربی معاشرت کے انحراف کی ایک نمایاں مثال یورپ اور امریکہ میں ہندو جوگیوں کا فروغ ہے۔ یہ ڈھونگی گرو مذہب اور روحانیت کے نام پر مغربی سماج کے ناآسودہ افراد کو کھلی جنس پرستی اور بوالہوسی کا پروانہ دے رہے ہیں۔ ان کے آشرم فحاشی کے وہ اڈے ہیں جنھیں مذہبی تقدس حاصل ہے۔ چنانچہ اہل مغرب اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین اور اپنے ضمیر کو فریب دینے کے لیے ہندو جوگیوں کے قدموں میں دولت کا ڈھیر لگا رہے ہیں۔ یہ جوگی بہ ظاہر مادیت زدہ افراد کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کا سوانگ بھرتے ہیں، مگر درحقیقت ان کے جسمانی تقاضوں کی تکمیل کا سامان کرتے ہیں۔ گرچہ یہ ایک عجیب و غریب صورت حال ہے کہ روشن خیال کہلانے والے اہل مغرب قدیم ہندو کلچر کے بعض تاریک پہلوؤں کے شیدائی ہو رہے ہیں، لیکن یہ واقعہ بہت زیادہ حیرت انگیز نہیں۔ دیوداسیوں کا نظام جس طرح قدیم ہند کے مندروں میں پایا جاتا تھا اسی طرح قدیم یونان و روم کے ان مندروں میں بھی جن کے اساطیر جدید مغربی تہذیب کا ورثہ بن گئے ہیں خود مسیحی کلیسا کی نن بھی کسی دیوداسی سے کم نہیں۔ دیومالاؤں کے اوہام و خرافات قدیم ہند اور قدیم یونان و روم کی تہذیبی زندگیوں کے مشترک اثاثے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ اجنتا، ایلورا اور کونارک کی انتہائی شرم ناک تصاویر کو اہل مغرب نے فنون لطیفہ کے بہترین کارنامے قرار دے دیا ہے۔ بے پردگی، عریانی اور بے حیائی ان تصاویر کے خاص نقوش ہیں۔ یہی نقوش یونان و روم کی قدیم تہذیب کے تھے اور یہی نقوش اب جدید مغربی تہذیب میں نمایاں ہیں۔ لہٰذا آج کے نام نہاد ہندو جوگیوں کی جنسی تعلیم و تربیت کو اہل مغرب کا ایک حلقہ، جو اُمرا و رؤسا پر مشتمل ہے، اپنی متاع گم شدہ سمجھ کر قبول کر رہا ہے۔ یہ ترقی یافتہ مغرب کی اخلاقی گراوٹ کی انتہا ہے اور اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یورپ اور امریکہ کا تمدن انتشار کے نقطۂ عروج پر پہنچ رہا ہے۔

غیر اسلامی تصوّرِ جنس کی دو متضاد خصوصیات ہیں - اول یہ کہ مذکّر و مونّث کو بالکل اضداد فرض کر لیا گیا ہے - دوم یہ کہ ضدّین کے درمیان بے محابا اختلاط کو پسندیدہ سمجھا گیا ہے - اسی جمع اضداد کا نتیجہ ہے کہ غیر اسلامی معاشرت میں مرد و زن کی بے حجابی اور اس کے سبب دونوں کا ایک دوسرے سے تصادم عام ہے - مخالف جنسوں کی یہ باہمی کشیدگی اور بے روک قربت پورے سماج کو زبردست نفسیاتی کش مکش میں مبتلا کر دیتی ہے - اس کش مکش سے ناقابل حل پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں، الجھنیں بڑھتی ہیں اور مسایل کھڑے ہوتے ہیں، کاروبار تمدن میں خلل واقع ہوتا ہے، تہذیبی سرگرمیاں غیر اخلاقی رخ اختیار کر لیتی ہیں اور سماج میں ذہنی سکون باقی نہیں رہتا، پورا معاشرہ ایک تماشہ بن جاتا ہے اور دونوں جنسوں کا ایک دوسرے کے ساتھ رویہ مصنوعی ہو جاتا ہے - آپس کے برتاؤ میں ایک پر تکلّف شایستگی رونما ہوتی ہے، ایک دوسرے کے کردار کی نقالی مرد کو عورت اور عورت کو مرد بنانے لگتی ہے، یہاں تک کہ حرّیت اور مساوات کے نام پر مقابل جنسوں کے اجتماعی فرایض میں تبدیلی ہونے لگتی ہے ، آزادی نسواں کا لایعنی نعرہ اسی صورت حال کا ثمرہ ہے - یہ نام نہاد آزادی درحقیقت عورت کو مرد کا نفسیاتی غلام بنا دیتی ہے اور وہ نت نئے فیشن کے لیے اپنا سارا صنفی وقار کھو دیتی ہے، برہنگی کو اپنا شعار بنا کر اپنی رسوائی کا سامان آپ کرتی ہے اور پورے خاندان کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیتی ہے، اولاد کی پرورش و تربیت سے غافل ہو کر سماج کو بنجر بنانے لگتی ہے - بگڑے ہوئے مردوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونے سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اپنے فطری دائرہ کار سے نکل کر جب وہ مردوں کے دائرہ کار میں داخل ہو کر گویا ان کے ساتھ ان کی سطح پر مقابلہ کرتی ہے تو لازماً ان کے استحصال کا شکار ہو جاتی ہے، مرد وہ بن نہیں پاتی اور عورت رہ نہیں جاتی، اس کی جنس مسخ ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ قربت کے باعث مرد کی جنس بھی اسی طرح مسخ ہو جاتی ہے، پھر دونوں کے طبعی تقاضوں میں فرق آنے لگتا ہے، ہم جنسی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے اور انسانیت کی تمام قدریں تہ و بالا ہو جاتی ہیں - نئی عورت جب سوسائٹی گرل اور کال گرل نیز گرل فرینڈ کا روپ اختیار کرتی ہے تو وہ پرانے انداز کی طوائف سے مختلف نہیں ہوتی - اس کے مقابلے میں نیا مرد بھی بوائے فرینڈ، لبرل جنٹلمین اور" زندگی کی اچھی چیزوں" کا رسیا بن کر گویا طوائف کی سرپرستی کرتا ہے - آج کے فلمی میلوں، کلچرل پروگراموں اور مقابلۂ حسن میں بردہ فروشی کے سوا کیا ہوتا ہے؟ سینما نے ہر بستی میں قحبہ خانہ کھولا

تھا، ٹیلی وژن نے ہر گھر میں قحبہ خانہ کھول دیا ہے۔

جنس کے متعلق قرآن کا تصور تمام جنسی مسایل کا واحد حل ہے۔اس سے مذکر و مونث کی حقیقت ایک آفاقی تناظر میں واضح ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کی تخلیق ایک ایسے کائناتی منصوبے کے تحت کی ہے جس کی تعمیل و تکمیل کے لیے اصولی طور پر دونوں کی اہمیت یکساں ہے:۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ٥ (الذاریات ۴۹)	اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں، شاید تم اس حقیقت پر غور کرو۔
إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ٥ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدہر:۲،۳)	ہم نے انسان کو مرد و زن کے مرکب نطفے سے پیدا کیا، تاکہ اس کا امتحان لیں، لہٰذا اسے سننے اور دیکھنے کی قوتیں عطا کیں۔ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، اب چاہے شکر کرے یا کفر۔

پہلے اقتباس میں وجود کا ایک فطری اصول بتایا گیا ہے، وہ یہ کہ تمام موجودات کی تخلیق جوڑوں کی شکل میں ہوئی ہے، جن میں ایک مذکر ہے اور ایک مونث اور کائنات کا سارا ارتقا مشیت خداوندی کے مطابق تذکیر و تانیث کی اقدارِ حیات کے درمیان ہم آہنگی پر مبنی ہے۔ دوسرا اقتباس تصریح کرتا ہے کہ انسان کے توالد و تناسل کا سلسلہ مرد اور عورت کے نطفوں کی ترکیب سے قایم اور جاری ہے۔یہاں لفظ انسان کا استعمال اس نکتے پر زور دینے کے لیے ہے کہ دونوں جنسیں مل کر نوع انسانی کی تشکیل کرتی ہیں، لہٰذا دونوں مساوی طور پر انسانیت کے عوامل نیز عناصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے امتحان میں دونوں کو آدمیت کی ایک ہی ضمیر "ہ" کے ذریعہ شریک کیا گیا ہے۔چنانچہ دونوں کی راہ نمائی بھی ایک ہی ضمیر کے ساتھ کی گئی ہے، ان کو امتحان میں پورا اترنے کے لیے سماعت و بصارت کی صلاحیتیں بھی مشترک طور پر دی گئی ہیں اور ان کے عمل میں شکر و کفر کے انداز کو بھی یکساں اسلوب سے بیان کیا گیا ہے۔

یہی وہ حقائق ہیں جن کے پیش نظر قرآن انسان کو جتاتا ہے کہ اس نے تمام بنی آدم کو ایک ہی مرد و عورت یعنی آدم و حوا کے نطفے سے پیدا کیا ہے۔لہٰذا اقدارِ انسانیت

ان سب کے درمیان مشترک ہے، خواہ وہ جس رنگ، نسل، علاقے، طبقے، فرقے اور جنس کے ہوں، قوموں اور برادریوں میں بھی انسان کی تقسیم صرف باہمی شناخت اور تعارف کے لیے ہے، کسی تفریق اور تفاخر کے لیے نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و شرافت کا معیار خداترسی، پرہیزگاری اور نیکوکاری کے اعمال کے سوا کچھ اور نہیں، صرف ذاتی کردار ہی آدمی کو سرخ رو اور سربلند کرسکتا ہے، نہ کہ رنگ و نسل و جنس اور رتبہ و دولت وغیرہ کا کوئی فرق:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ	اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی
مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ	مرد اور عورت سے پیدا کیا اور قوموں
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا	اور قبیلوں میں پھیلا دیا، تاکہ تم ایک
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ	دوسرے کو پہچان سکو، لیکن اللہ کے
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ	نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو
(الحجرات: ۱۳)	سب سے زیادہ خداترس ہے۔ بیشک
	اللہ سب باتوں کا علم اور ان کی خبر
	رکھتا ہے۔

ہر شخص کا عمل، خواہ وہ کسی جنس کا ہو، اس کی حقیقی شخصیت کی شناخت بن جاتا ہے اور اس کے لیے جزا یا سزا کا باعث ہوتا ہے۔ اس معاملے میں فی الواقع مرد و زن ایک دوسرے کے ہم جنس ہو جاتے ہیں:

لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم	میں تم میں کسی عمل کرنے والے کا عمل
مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم	ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو
مِّن بَعْضٍ	یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے
(آل عمران: ۱۹۵)	ہم جنس ہو۔
كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ	ہر شخص اپنے عمل کے عوض رہن
(الطور: ۲۱)	ہے۔
فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا	جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کی جزا
يَرَهُ ○ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	پالے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا
شَرًّا يَرَهُ ○ (الزلزال: ۷، ۸)	اس کی سزا پالے گا۔

عمل پر تاکیدی نشان لگانے والی ان آیات میں صیغہ واحد غائب میں فاعل کی ضمیر جہاں کہیں ہے جنس کی تمیز سے عاری اور پوری نوع انسانی کے ہر فرد کی طرف یکساں راجع ہے۔

مرد وزن کی یہ ہم آہنگی اسلام کے تصور جنس کا بنیادی نکتہ ہے۔ قرآن دونوں کی خلقتوں میں قدر مشترک پر زور دیتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ	اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا	کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس
اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً	سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس
وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝	محبت و رحمت پیدا کردی۔ اس واقعے
(الروم: ۲۱)	میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں
	کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں غور و فکر کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ مادہ پرست ماہرین نفسیات کی طرح قرآن مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی ضد نہیں قرار دیتا، بلکہ انھیں وسیع تر معنوں میں انسانی اصلیت کے اعتبار سے ایک دوسرے کا ہم جنس بتاتا ہے اور اسی نسبت سے عصر حاضر کے مغالطہ انگیز مغربی تصور کے بالکل برخلاف، مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ثابت کرنے کے بجائے، ان کے درمیان یگانگت و رفاقت کا سراغ لگاتا ہے، یعنی وہ دونوں جبلّی طور پر باہم متصادم نہیں، معاون ہیں، مخالف نہیں، موافق ہیں، حریف نہیں، رفیق ہیں۔ اس حقیقت سے واضح ہوتا ہے کہ جنس کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر تمام غیر اسلامی نظریات سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں نہ تو قدیم مذاہب کی طرح عورت کو مرد سے بہت کمتر ایک حقیر مخلوق سمجھا گیا ہے نہ جدید فلسفوں کے مانند مرد و زن کو ایک دوسرے کا مدّمقابل فرض کیا گیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن مذکر و مونث انسانوں کے درمیان کسی حیوانی کش مکش کے تصور کو قطعیت کے ساتھ ردّ کرتا ہے اور ان کے باہمی رشتے کو انسانی محبت پر مبنی قرار دیتا ہے۔ ان دونوں جنسوں میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج یعنی جوڑا ہے، گویا ایک کے بغیر دوسرا مکمل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ قربت سے روحانی سکون و اطمینان حاصل کرتے ہیں، جو محض جسمانی لطف و لذت سے بہت

بڑھ کر ہے۔ اس طرح جنسی رشتہ عضویات سے ترقی کرکے اخلاقیات کا موضوع بن جاتا ہے اور اس میں لذت کوشی کی وحشتوں کی جگہ ایک تہذیبی متانت پیدا ہو جاتی ہے، جس کے شریفانہ آداب دونوں ہی جنسوں کے افراد کو سچی اور دیرپا مسرت سے ہم کنار کرتے ہیں۔

مرد و زن کے اس تہذیبی رشتے میں باہمی شیفتگی کے ساتھ شایستگی نمایاں ہے۔ یہ رشتہ خصومت کے بجائے شفقت پر قایم ہے۔ جوڑے کے ہر فرد کو دوسرے کے ساتھ انس و الفت ہے، جس کے سبب وہ ایک دوسرے کا لحاظ و احترام کرتے ہیں، ہر ایک دوسرے کی عزت کا خیال رکھتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے وفادار ہیں، ان کی باہمی رفاقت عفت و عصمت پر مبنی ہے۔ اس طرح جنسوں کے باہمی حقوق و فرایض بالکل فطری طور پر، دلی رغبت اور اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ، ادا ہوتے ہیں۔ مختلف جنسوں کے افراد کے درمیان اشتراک و تعاون کا یہ نہج پورے معاشرے کی پاکیزگی اور ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد و زن افراد خاندان بن کر ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ ہر عورت کسی مرد کی بیٹی یا ماں یا بہن یا بیوی ہے اور ہر مرد کسی عورت کا بیٹا یا باپ یا بھائی یا شوہر ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کے عزیز ہیں اور ہر ایک کو دوسرے کی ناموس و آبرو کی حفاظت اور ضروریات کی تکمیل کی فکر ہے۔ اس انداز سے خاندان کی بہتری کے لیے جو کام ہوتے ہیں ان سے سماج کی بہتری کا سامان ہوتا ہے اور مجموعی طور پر بالآخر پوری انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتی ہے۔

عورت اور مرد کے درمیان انسانی ہم آہنگی کے باوجود قرآن مخلوط سماج کا قائل نہیں وہ دونوں جنسوں کے دائرۂ کار میں فرق کرتا ہے، اس لیے کہ ان کی جسمانی ساخت اور طبعی تقاضے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لہٰذا عضویات و نفسیات کے اس فطری اختلاف کا لحاظ کرتے ہوئے اسلام نے مرد و زن کے عمل کے حلقے علاحدہ تجویز کیے ہیں، تاکہ وہ تمدنی الجھنیں اور تہذیبی پیچیدگیاں نہ پیدا ہوں جن سے مخلوط معاشرہ دوچار ہوتا ہے، اور معاشرت ہر قسم کی جنسی کشیدگی سے محفوظ رہ کر دونوں جنسوں کی پرسکون آسودگی کا سامان کرے بجائے اس کے کہ جنسی کشمکش کی ہنگامہ آرائیاں اعصابی خلل کا باعث ہوں:

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ	اس ذاتِ باری کی قسم جس نے مذکر و
إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ	مونث بنائے، بے شک تمہاری

کوششیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں (اللیل: ۳، ۴)

مذکورہ بالا آیت میں مذکر و مونث کی تخلیق کے فوراً بعد متصلہ آیت میں اختلاف مساعی کا ذکر بہت معنی خیز ہے۔ اس میں عام افراد کے افعال کے تنوع کے ساتھ ہی مرد و زن کے اعمال کا فرق بھی مضمر ہے، خاص کر جب ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد امور میں قرآن نے مرد اور عورت کے لیے مختلف احکام صادر کیے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑھ کر عورت کے مقابلے پر مرد کی قوامیت اور مرد کے برخلاف عورت کے لیے پردے کے صریح احکام ہیں۔

زوجین کے حقوق و فرائض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے :

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ	معروف طریقے پر عورتوں کے حقوق
بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ	اسی طرح ہیں جس طرح ان کے فرائض
عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ	ہیں، اگرچہ مردوں کو ان پر ایک درجہ ترجیح
حَكِيمٌ ٥ (البقرہ: ۲۲۸)	ہے۔ اللہ سب پر غالب اور بہت دانا ہے۔

اس حکیمانہ ترجیح کی تشریح دوسری جگہ ان لفظوں میں کی گئی :

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ	مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس لیے کہ اللہ
بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ	نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے
وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ	اور مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ لہٰذا
فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ	نیک عورتیں اطاعت شعار ہوتی ہیں اور
لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ	اللہ کی نگرانی میں مردوں کے حقوق کی
(النساء: ۳۴)	حفاظت ان کے غائبانے میں بھی کرتی ہیں۔

حقوق و فرائض کے معاملے میں زوجین کے درمیان اصولی مساوات کے باوجود ایک فرق عملی طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ نہ حقوق ایک قسم کے ہیں نہ قوانین ایک قسم کے، عورتوں کو وہی حقوق دیے گئے ہیں جو ان کی نسائیت کے لیے موزوں اور ضروری ہیں، جب کہ مردوں پر وہی فرائض عاید کیے گئے ہیں جو ان کی مردانگی کے مطابق ہیں اور جن کی ادائیگی بالعموم وہی پوری رغبت و استطاعت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ اب چوں کہ اختیارات کی تقسیم فطری طور پر ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہوتی ہے لہٰذا مردوں کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ نہایت معقول طریقے پر ان کے اختیارات میں بھی نسبتاً اضافہ کیا گیا۔ مرد کو قرآن نے عورت کے لیے "قوام" قرار دیا ہے،

جس کا مطلب ہے نگہبان، جب کہ عورت کو مرد کے حقوق کی حافظ یعنی محافظہ قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح مرد و زن دونوں ایک دوسرے کے جائز مفادات کی پاسبانی کرتے ہیں، لیکن بمقابلہ عورت کے مرد کی نگرانی کا دائرہ ظاہر ہے کہ زیادہ وسیع ہے اور اس دایرے میں عمل کی مشکلات بھی بڑھی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ عورت کے جو فطری فرایض، خانہ داری اور اولاد کی پیدائش و پرورش کے سلسلے میں ہیں ان کے بعد بیرون خانہ کار جہاں کی ذمہ داری بھی اس پر ڈالنا اس کے ساتھ صریح ظلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے اندر مرد کو معیشت کا ذمہ دار بنایا گیا کاروبارِ معیشت پورے سماج پر پھیلا ہوا ہے اور اسے کام یابی کے ساتھ چلانے کے لیے جو اوصاف درکار ہیں وہ مرد کو عطا کیے گئے۔

یہ کوئی صنفی امتیاز بے جا کی بات نہیں، صرف ایک تقسیم کار ہے، عورت کو اپنے مقدر کی تکمیل عورت ہی کی طرح کرنی ہے اور مرد کو اپنے مقدر کی تکمیل بھی مرد ہی کی طرح کرنی ہے۔ کیا مرد اولاد کی پیدائش و پرورش اور خانہ داری کی ذمہ داریاں چاہیں بھی تو ادا کر سکتے ہیں، جب کہ انھیں حیاتیاتی و نفسیاتی طور پر ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے قابل بنایا ہی نہیں گیا؟ جب ظاہر ہے کہ خاندان اور سماج کے بعض اہم ترین اور بالکل بنیادی امور عورت ہی انجام دے سکتی ہے، تو اب مرد کے کرنے کے کام وہی ہیں جو ان امور کے علاوہ ہیں۔ ان کاموں میں بھی عورت کو گھسیٹ لینا ظلم کے سوا کیا ہے، جب کہ مرد عورت کے حصّے کے کام نہیں کر سکتے؟ شریعت اسلامی خالق کائنات کی وحی کے مطابق تشکیل دی گئی ہے اور خالق عادل ہے، علیم و خبیر اور حکیم ہے وہ سب کی فطرت سے واقف ہے اور کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، نہ کسی کو قدرت کی طرف سے عطا کی ہوئی قوتوں سے زیادہ کا حساب لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات کی ادائیگی میں بھی مرد اور عورت کے حیاتیاتی نظام کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اسی حقیقت کے پیش نظر نظامِ معاشرت کے اندر شوہر کو خاندان کا نگہبان اور بیوی کو اطاعت شعار بنایا گیا ہے، اس لیے کہ خاندان سماج کی بنیادی اکائی ہے، یہ دو افراد کی وہ اولیں جماعت ہے جس کی کارگذاری پر پورے معاشرے کا مستقبل منحصر ہے۔ چناں چہ نظمِ جماعت کا تقاضا ہے کہ شوہر اور بیوی میں سے کسی ایک کو نگہبان یا سرپرست اور دوسرے کو بہ حدِ معقول اس کا مطیع قرار دیا جائے، گرچہ دونوں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور ان کے باہمی مشورہ و تعاون سے خاندانی مسایل حل کیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بہ وجوہ مرد کو عورت

کا سرپرست بنانا ہی پڑے گا، اسلامی فقہ نے اس سرپرستی کے لیے ولایت کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا مفہوم ہے عورت کے تمام جائز مفادات کی پوری نگہ داشت، تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنے حصے کے اجتماعی فرایض ادا کرے۔ ایسی حالت میں اگر عورت مرد کی اطاعت نہ کرے تو یہ عورت کی زیادتی ہوگی اور اس سے نظام معاشرت میں خلل واقع ہوگا۔ مرد جب عورت کو ہر قسم کا تحفظ دے رہا ہے تو عورت کو بھی اپنی حد کے اندر رہنا چاہیے۔ یہ حد خود عورت کی فطرت کا تقاضا ہے اور اس کی نسائیت کے فروغ کا باعث ہے۔

پردہ فروغ نسائیت کی بہترین شکل ہے۔ اسی لیے قرآن نے حجاب کے احکام صاف صاف بیان کیے ہیں:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ (نور: ۳۰، ۳۱)	اے نبی! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ طریقہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اللہ ان کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اور اے نبی! مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں، سوا اس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (احزاب: ۵۹)	اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور تمام مسلمان عورتوں کو کہو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ تاکہ وہ آسانی سے پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔ اور اللہ مہربان اور معاف کرنے والا ہے۔

غیر محرم مردوں سے عورتوں کے پردے کے یہ احکام اس مفروضے پر قایم ہیں کہ مرد وزن دونوں کو حیا داری اور پاک دامنی کی روش پر چلنا ہے، جس کا حکم بہ یک وقت اور یکساں طور پر دونوں کو دیا گیا ہے۔ اس معاملے میں عورت کے لیے مزید یہ انتظام کیا گیا ہے کہ وہ اپنی نسوانی زینت کا مظاہرہ نہ کرے اور حجاب اختیار کرے۔ حجاب کی شکل نقاب، چادر، اوڑھنی برقعے کسی کی بھی موقع و مقام کے لحاظ سے ہوسکتی ہے، اگر پردہ داری کا مقصد حاصل ہوجائے یہ ستر عورت سے زاید ایک چیز ہے، جب کہ ستر عورت یعنی ساتر لباس پہننے کا حکم مرد و زن دونوں کے لیے یکساں ہے۔ عورت کے لیے زاید چیز چہرے اور خطوط جسم کی پردہ پوشی ہے، اعضا کی معقول اور ضروری حد تک پوشیدگی ہے، تاکہ جنسی نمود و نمائش اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اشتعال کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ یہ اسلامی فقہ کی اصطلاح میں سد باب ذریعہ ہے، یعنی فحاشی کے تمام امکانات کا دروازہ بند کردینا ہے تاکہ کوئی شخص حدود اللہ کی سرحدوں کے قریب پہنچ کر وہاں سے آگے نہ نکل جائے۔ شریعت اسلامی کی حکمت اس سلسلے میں یہ ہے کہ وہ گناہ کے ساتھ ساتھ ترغیب گناہ سے بھی روکتی ہے، تاکہ دلوں میں بیماری پیدا ہوکر نفس گناہوں کی طرف راغب نہ ہو، انسان کسی نفسیاتی الجھن میں گرفتار ہوکر معصیت کی جانب سبقت نہ کرے، بلکہ اس کی طبیعت میں حتی الوسع سرے سے بدکاری کا کوئی میلان نہ پیدا ہو، پورا ماحول بدعنوانیوں کے قراین سے محفوظ رہے۔

عورتوں کا پردہ اسلام کے ضابطۂ جنس کی ایک نمایاں علامت ہے، جس کے بغیر کسی شریف مسلمان خاتون کی شناخت نہیں ہوسکتی، جیسا سورۂ احزاب کی محولہ بالا آیت میں "یعرفن" (تاکہ وہ پہچان لی جائیں) کے بلیغ لفظ سے ظاہر ہے۔ پھر یہی شناخت ایک مسلمان عورت کو سماج میں مکمل عافیت کی ضمانت دیتی ہے، جیسا مذکورہ آیت کے لفظ "فلا یوذین" (تاکہ وہ ستائی نہ جائیں) کے فکر انگیز طرز بیان سے واضح ہے۔ پردے کی یہ مصلحتیں خود خدا نے اپنی صفات رحمت و مغفرت کے ساتھ بتائی ہیں، یعنی حجاب کا حکم خدا کا ایک کرم ہے معاشرۂ انسانی پر اور اس کو بجا لاکر ہی کوئی سماج اور اس کے افراد رحمت و مغفرت کے مستحق ہوسکتے ہیں۔ ان باتوں کا مفہوم موجودہ معاشرے کے تناظر میں پوری طرح آشکار ہوگیا ہے۔ جدید مغرب زدہ سماج کی سب سے بڑی لعنت بے پردگی اور اس کے نتیجے میں وبا کی طرح پھیلنے والی بے حیائی اور فحاشی ہے، جس کے سبب بدکاری ہوا اور

پانی کی طرح عام ہوگئی ہے اور اکثر دلوں میں جنس کی بیماریاں روز افزوں ہیں، پورا تمدن مریض ہوگیا ہے اور تہذیب بداندیشی و بدفعلی کا دوسرا نام ہوگئی ہے، رقص و موسیقی و مصوری کے نام نہاد فنون لطیفہ آج کی انسانیت کو تباہ کن حد تک کثیف بنا رہے ہیں، مکروہات مرغوبات بن گئی ہیں اور ترقی کے عنوان سے زوال کے آثار نمایاں ہیں۔

آج کی عورت آزادی و برابری کے اس فریب میں مبتلا ہوکر جو آج کے مرد نے اسے دیا ہے اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو بہ اقساط و دفعات عریاں کرکے اب شاید لباس کا آخری ٹکڑا بھی اپنے جسم نازک پر سے اتار کر مرد کے سر پر پھینک دینا چاہتی ہے عریانی کے نت نئے فیشن مرد ہی ایجاد کر رہے ہیں، انھوں نے جنس لطیف کو جنس اشتہار بنا دیا ہے اور غریب عورت کے نسوانی اعضا کا بے تحاشا استعمال ہر قسم کے کاروبار کے فروغ کے لیے ہو رہا ہے، شاید عورت اب فقط علامت جنس بن کر ایک مال تجارت ہوگئی ہے — یہ نسوانیت کا بدترین استحصال ہے جو عصر حاضر میں آزادی نسواں اور کھلے ہوئے معاشرے کے نام پر ہو رہا ہے۔ اس سے زیادہ عورت کی غلامی اور معاشرے میں جنس کی کوئی دوسری صورت نہیں ہوسکتی۔ تمدن کا پورا افق جنس کی گرم بھاپ سے دھندلا چکا ہے، ایک دھواں سا سماج میں چھا رہا ہے، جس سے ہر شخص کا دم گھٹنے لگا ہے اور صحت مند معاشرتی زندگی کے راستے بند ہو رہے ہیں۔

یہ شاید فرائیڈ کے اس مریضانہ خواب کی تعبیر ہے کہ فرد کے ہر عمل کا محرک اس کی شہوات (لیبڈو) ہیں جدید تہذیب کے ہر دائرے میں ہوس کی گرم بازاری کا سبب شاید یہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی انا (ایگو) اب جبلت (انسٹنکٹ) پر قابو رکھنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا قدروں کا کوئی نظام جنس کی فطری قوت کو کس ضابطے کے تحت صحیح رخ پر لگا کر اس کا بہتر مصرف لینے کے قابل نہیں رہا ہے۔ لیکن اسلام کے ضوابط کی جو تصریح سطور بالا میں کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنس کو پوری اہمیت دے کر اس کو ایک ایسے آئین کا پابند بنایا گیا ہے جو بہ یک وقت انفرادی تسکین اور اجتماعی تزئین کا باعث ہے۔

قرآن انسان کے اندر صحیح قسم کے انا کی وہ صالح طاقت ابھارنا چاہتا ہے جو جنس کو اس کی فطری حدود میں رکھ سکے۔ یہ طاقت نفس کے مقابلے میں ضمیر کی ہے۔ لیکن یہ نہ تو کوئی صوفیانہ تخیل ہے نہ راہبانہ ریاضت، بلکہ قرآن نے ایک ایسا معاشرتی ضابطہ تجویز کردیا

ہے جس کی تعمیل سے فرد کی تسکین، خاندان کی تنظیم اور معاشرے کی ترقی کے اعلیٰ مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ اس ضابطے کا نام نکاح ہے جس کے مطابق مرد اور عورت ایک اخلاقی رشتے میں بندھ کر جائز معقول اور مفید طریقے سے جنسی لطف ولذت بھی حاصل کرتے ہیں اور اپنی ذہنی وقلبی تربیت بھی کرتے ہیں۔ اس طرح جسم و روح دونوں کے تقاضے ایک توازن کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے رشتۂ نکاح کو قلعہ بندی ("احصان") قرار دیا ہے، یعنی مرد و زن عقد نکاح کے بعد شوہر اور بیوی بن کر جنسی بے راہ روی سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور ہوس رانی کے بجائے قرآن کے مطابق اپنے بہتر مستقبل کی فکر ("تقدیم") کرتے ہیں۔ یہ سلسلۂ نسل کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ آخرت کی تیاری کی طرف بھی ایک اشارہ ہے۔

عصر حاضر میں مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کی خرابی کے اسباب حسب ذیل ہیں:

۱۔ نکاح کے جائز تعلق سے عدم رغبت اور صرف جنسی تعلق کی جانب میلان۔
۲۔ جائز جنسی تعلق کے قیام کے لیے عقد نکاح میں زیادہ سے زیادہ تاخیر
۳۔ یک زوجگی۔
۴۔ طلاق میں دشواری
۵۔ خاندانی منصوبہ بندی کے لیے ضبط ولادت۔

ان اسباب کے پیچھے جو نقطۂ نظر کام کر رہا ہے وہ اول تو نام نہاد آزادیٔ نسواں ہے، دوسرے ایک مفروضہ معیار رہائش ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تاریخ انسانی میں پہلی بار جدید علمی و تمدنی ترقیات کی بدولت عورت اپنا آزاد تشخص حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے اور اپنی مستقل بالذات شخصیت کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔ چناں چہ اب وہ مرد کے مساوی ہو کر وہ سب کچھ کرنے کے لیے آزاد ہے جو اب تک صرف مرد کرتا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف یک زوجگی کو عورت کا حق قرار دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف اسے بھی براہِ راست طلاق کا اختیار دینے کی وکالت ہو رہی ہے، جب کہ بجائے خود طلاق ہی کو زیادہ سے زیادہ دشوار بنایا جا رہا ہے۔ عورت کو تمام رشتوں سے الگ فقط عورت فرض کر کے اسے آزاد جنسی تجربے کے پورے مواقع دینے کی بات کی جا رہی ہے، اسے گھر کی چار دیواری سے باہر کھلے میدان میں لا کر اولاد کی پیدائش و پرورش کے بار سے سبک دوش کرنے کی

سعی بھی کی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ مرد و زن زیادہ سے زیادہ لطف حیات حاصل کرنے کے لیے معیشت کے ایک خاص معیار کو مطمح نظر بنا کر خاندانی منصوبہ بندی اور اس مقصد کے لیے ضبط ولادت کے طریقوں پر عمل کر رہے ہیں، تاکہ آبادی کم سے کم ہو اور عیش کے وسائل زیادہ سے زیادہ ہ۔ اس طرح آج کے سماج میں عام طور پر ساری فکر موجودہ انسانوں اور ان کی موجودہ حالت کی ہے جب کہ نئی نسلوں اور آئندہ حالات کی طرف سے غفلت برتی جارہی ہے۔ اپنے حال میں مگن ہو کر مرد اور عورت دونوں اخلاقی قیود کو توڑ رہے ہیں اور اپنے عیش و عشرت پر کسی پابندی یا اس میں کسی کمی کو گوارہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سلسلے میں ان کا انحراف نفس طرح طرح کے جنسی انحرافات اور جسمانی امراض بھی پیدا کر رہا ہے نتیجتاً معاشرت میں پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں اور حیاتیاتی زوال کے آثار نمایاں ہیں۔

اسلام کی تعلیمات عصر حاضر کے ان غلط اور مہلک میلانات کے خلاف ہیں اور اس طرح آج کے جنسی مسایل کا حل انہی تعلیمات سے میسّر آتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کے شخصی و عائلی قوانین یعنی مسلم پرسنل لا یا اسلامی سول کوڈ دنیا کا بہترین ضابطۂ معاشرت ہے جو یکساں طور پر مسلم و غیر مسلم ہر عقیدے کے تمام انسانوں کے لیے عملاً مفید ہے۔ مرد اور عورت کے تعلقات کی درستگی کے لیے اسلام کا ہدایت نامہ حسب ذیل نکات پر مشتمل ہے:

۱۔ نکاح کی پابندی و ذمہ داری کے بغیر جنسی تعلق ممنوع ہے۔
۲۔ بالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح میں جلدی کرنی چاہیے۔
۳۔ چند زوجگی کی اجازت ہے۔
۴۔ طلاق کی سہولت۔
۵۔ مصنوعی ذرایع سے ضبط ولادت پسندیدہ نہیں۔

نکاح کا تصور قرآن کے مطابق ایک صلۂ رحمی ہے۔ اس لیے کہ مرد و زن دونوں ایک "نفس" سے تخلیق کیے گئے اور وہ نفس انسانی کا اولین نمائندہ حضرت آدمؑ ہیں جن کی جنس و جان سے ہی ان کی زوجہ حضرت حوّا پیدا کی گئیں، پھر ان دونوں کے تزوج سے مذکر و مونث پر مشتمل پوری نوع انسانی روئے زمین پر پھیل گئی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ ساتھ رشتہ داریوں کا بھی احترام کیا جائے:

یَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ — لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ	ایک جان سے پیدا کیا اور اس نفس
وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ	سے ہی اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں
مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ	کے ملاپ سے بہت سارے مرد و زن
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ	روئے زمین پر پھیلا دیے، لہٰذا جس
بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ	خدا کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے
عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۝	سے اپنا اپنا حق طلب کرتے ہو اس
(النساء: ۱)	سے اور رشتہ داریوں کو بگاڑنے سے
	ڈرو۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔

اس پس منظر میں یتیموں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کی اجازت مردوں کو دی جاتی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی	اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف
الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ	نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں
مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (نساء: ۳)	ان میں دو، تین، یا چار سے نکاح کر لو۔

یہی وجہ ہے کہ رسول خدا نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا اور فرمایا کہ جو شخص اس سنت پر عمل کرنے سے گریز کرے اس کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ ماں، بیٹی، بہن، چچی، خالہ پھوپھی، ممانی، دادی، نانی کو محرّمات قرار دے کر اور دوسرے کی بیوی یا بہ یک وقت دو بہنوں کو عقدِ نکاح میں لینے نیز رضاعی بہن، رضاعی ماں، خوشدامن، بہو، زیرِ کفالت سوتیلی بیٹی، بھتیجی اور بھانجی کے ساتھ مناکحت سے منع کر کے عام اجازت دی گئی کہ کسی بھی عورت کے ساتھ مہر مقرر کر کے رشتۂ ازدواج قایم کیا جائے۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ	محرمات کے سوا، تمہارے لیے جائز
تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ	کیا گیا کہ جس عورت سے چاہو مال مہر
غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ	کی قرارداد کے ساتھ، حفاظتِ جنس کے
بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ	لیے، نہ کہ آزاد شہوت رانی کی خاطر، باضابطہ
فَرِیْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ	رشتۂ ازدواج قایم کرو۔ اس لطف
فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ	ازدواج کے لیے مہر ادا کرو، الّا یہ کہ مہر

الْفَرِيْضَةِ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ — مقرر ہوجانے کے بعد زوجین کی رضامندی سے آپس میں کوئی سمجھوتہ ہوجائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ دانا و بینا ہے۔

(النساء: ۲۴)

مرد اور عورت کے اس جائز جنسی تعلق کے سوا دو جنسوں کے درمیان ہر قسم کے ناجائز تعلق کو زنا قرار دیا گیا جو ایک قابل سزا جرم ہے۔ چنانچہ اس جرم کی سزا کے لیے تعزیری ضابطے مقرر کیے گئے ہیں اور قانونی طور پر ثبوت مہیا ہوجانے کی صورت میں نہایت سخت اور عبرت ناک سزائیں تجویز کی گئیں، ساتھ ہی زنا کے ارتکاب سے مرد و زن کو روکنے کے لیے ایک غیر مخلوط معاشرے کا نقشہ پیش کیا گیا اور اس پر عمل درآمد کے لیے پردے کے احکام صادر کیے گئے۔ اس سلسلے میں ہم جنسی کے غیر فطری فعل کو بھی لواطت قرار دے کر اس پر لعنت بھیجی گئی اور اسے مستحق عذاب بتایا گیا۔ لونڈیوں کے رواج کو بھی بہ تدریج ختم کرنے کے لیے ان سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کے بجائے ان کے ساتھ نکاح کا حکم دیا گیا، تاکہ وہ بھی حصار نکاح میں آکر شریف عورتوں کی طرح زندگی گزاریں اور ان کے ذریعہ سماج میں کوئی بدکاری نہ پھیلے۔ غلاموں کے ساتھ ساتھ لونڈیوں کو بھی آزاد کرنے اور صاحبِ اولاد ہوجانے کے بعد ان کے آزاد ہوجانے کے احکام اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

لوگوں کو جنسی بے راہ روی یا کج روی سے محفوظ رکھنے کے لیے اسلامی فقہ کے مطابق اس بات کو پسندیدہ سمجھا گیا ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ان کی شادی جلد از جلد کردی جائے، یہاں تک کہ اگر ایسا نہیں کیا گیا اور کسی بالغ سے کوئی لغزش ہوگئی تو اس کا وبال اس کے سرپرست پر بھی پڑے گا، اس لیے کہ اس نے اپنے نوجوان لڑکے یا لڑکی کے نکاح کا انتظام بر وقت نہیں کرکے انھیں معصیت کی زد پر چھوڑ دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مرد و زن ایک دوسرے کی شخصیت کو ازدواج کے ذریعہ اسی طرح خطرات سے محفوظ کرتے ہیں جس طرح لباس موسم کے سرد و گرم سے جسم انسانی کی حفاظت کرتا ہے، ساتھ ہی عریانی پر پردہ ڈال کر بہ یک وقت زینت اور تقویٰ دونوں کا سامان کرتا ہے۔ قرآن کی حسب ذیل آیت اسی حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآءِكُمْ هُنَّ — تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں بھی اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی جائز

لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (البقرہ: ١٨٧)	کردی گئی ہے۔ بیویاں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم بیویوں کے لیے لباس ہو۔ اللہ کو معلوم تھا کہ تم روزوں کے سبب اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے لہٰذا اس نے تم پر مہربانی کی اور تمہیں معاف کر دیا۔ اب تم بیویوں کے ساتھ رمضان کی راتوں میں بھی صحبت کرو اور وہ لطف زندگی اٹھاؤ جو تمہارے لیے جائز کر دیا گیا ہے۔

آیت میں خیانت نفس سے بچنے کی بات کی گئی ہے، یعنی نفس کے تقاضے بہ حدِ جواز پورے کرنے چاہئیں اور خواہ مخواہ اس پر جبر کر کے اسے غیر فطری آزمائشوں میں نہیں ڈالا جائے، یہاں تک کہ دن میں پورے ماہ رمضان کے اندر ہر قسم کی نفسیاتی خواہشات سے کنارہ کشی کے باوجود رات میں آب و دانہ کی طرح جائز طریقے پر جنسی فعل کی بھی گنجائش پیدا کر دی گئی، اس لیے کہ وہ بھی جسم انسانی کی ایک ضروری خوراک ہے اور وہ حتی الوسع ہر انسان کو حاصل ہونی چاہیے۔ اسی لیے اسلام میں تجرد اور رہبانیت کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔

جائز طریقے سے جبلت جنس کے تقاضے کی تکمیل درحقیقت فرد اور معاشرے دونوں کے مقدر مستقبل کی تعمیر و ترقی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کے بلیغ الفاظ یہ ہیں:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (البقرہ: ٢٢٣)	تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، لہٰذا جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ، لیکن اپنے مستقبل کی فکر کرو، اللہ کا خوف رکھو اور جان لو کہ تمہیں اس کے پاس جانا ہے۔ اے نبی! اس معاملے میں مومنوں کو خوش خبری دے دو۔

جنسی عمل میں بھی خوفِ خدا، تذکرہ آخرت اور مومنوں کو مژدے کی باتیں بتاتی ہیں کہ لطف و لذت برائے لطف و لذت نہیں ہے، اس کا ایک سنجیدہ و اعلیٰ مقصد ہے، اس کی کچھ

ذمہ داریاں ہیں اور ہر فعل دنیا کی طرح اس کی بھی جواب دہی ہے۔ دراصل یہی وہ نکات ہیں جو جنس کے معاملے میں بھی انسان کو حیوان سے ممتاز کرتے ہیں، اس لیے کہ بخلاف حیوان کے انسان کی جبلت بھی، اس کے شریفانہ انا کے تحت، وحشیانہ طور پر نہیں مہذب انداز میں کام کرتی ہے۔

ہر حال میں عورت کے ساتھ معمول کے مطابق اور معروف طریقے پر حسن معاشرت کی تلقین کی گئی ہے، یہاں تک کہ ناپسندیدگی کے باوجود نیک سلوک کی ہدایت کی گئی ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ	عورتوں کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر
كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا	کرو، اگر تم انھیں ناپسند بھی کرتے ہو
شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا	تو ہو سکتا ہے جس چیز کو تم ناپسند کرو
كَثِيرًا (النساء: ۱۹)	اس میں اللہ نے بڑی بھلائی رکھ دی ہو۔

اس حسن معاشرت میں تعدد ازواج نہ صرف یہ کہ خلل انداز نہیں ہوتا بلکہ بہ وجوہ معاون ہو سکتا ہے۔ اسلام میں جس طرح برات، بری اور جہیز کی مروجہ رسوم کا کوئی تصور نہیں ہے اسی طرح سوت اور سوتیلے کی بھی کوئی روایتی تمیز نہیں ہے۔ سب بیویوں اور ان کی اولاد کے حقوق برابر ہیں۔ چند زوجگی کی صورت میں تمام ازواج کے ساتھ عدل اسلام کی شرط ہے، اگرچہ عدم عدل کا اندیشہ ہونے کی حالت میں ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے مگر نساء آیت ۱۲۹ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کوئی مثالی عدل کامل مقصود نہیں ہے اور نہ کوئی تخیلی مساوات لازم ہے، جو کچھ مطلوب ہے وہ متوازن انداز میں بیویوں کے ساتھ انصاف اور ان کے حقوق کی ادائیگی ہے، جس کی استطاعت اگر ایک شخص کے اندر ہے اور اسے ایک سے زیادہ بیوی کی واقعی ضرورت ہے، جس کا فیصلہ خود اس کا ضمیر کرے گا، تو اسے چار تک عورتوں سے عقد نکاح کی اجازت ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ فطری و حقیقی ضرورت کی تکمیل کا صحیح راستہ بند پا کر ایک انسان غلط راستوں پر جا پڑے۔ نکاح سماج کا منظور شدہ ایک علانیہ اور ذمے دارانہ جنسی تعلق ہے، جب کہ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ ایک خفیہ اور غیر ذمے دارانہ حرکت ہے، جس کے نتیجے میں پورا معاشرہ جرائم کی آماجگاہ بن کر بالآخر تباہ ہو جائے گا۔ لہٰذا شریعت اسلامی نے نکاح کی جائز حدود میں مرد کے جنسی تقاضوں کی تسکین کے لیے چار بیویوں تک کی تحدید کر دی ہے۔ یہ تحدید وحی الٰہی کی طرف سے ہوئی ہے، لہٰذا یقین کرنا چاہیے کہ اس سے زیادہ خلاف مصلحت ہوتا اور تحدید نہ ہونے کی شکل میں جنسی تعلق محض

ایک کھیل بن جاتا ۔چند زوجگی کی اجازت صرف مرد کے لیے مخصوص بھی وحی الٰہی سے ہی کی گئی ہے۔جیسا متعلقہ آیات کے الفاظ سے واضح ہے ، لہٰذا اس سلسلے میں بھی یقین کرنا چاہیے کہ عورت کے لیے چند زوجگی کی اجازت سماج میں فتنے کا باعث ہوتی ، جب کہ اس کا صریحاً نسوانی حیا کے خلاف ہونا بہ آسانی سمجھ میں آتا ہے ۔اس کے علاوہ اسلام نے سماج میں مرد کو معاشی عامل قرار دیا ہے اور اس کی وراثت کی تقسیم کا معاملہ بالکل الجھ جائے گا ، اگر عورت کی چند زوجگی کے سبب اولاد کی اصلیت کا تعین مرد کے اطمینان کے مطابق نہ ہو سکے۔

شریعت اسلامی نے طلاق کی سہولت خاندان کے اندر بعض ناگزیر حالات کا مقابلہ اور بعض پیچیدہ مسائل کا حل فراہم کرنے کے لیے رکھی ہے ۔احادیث میں طلاق کو سب سے ناپسندیدہ جائز فعل بتایا گیا ہے ۔اس کے علاوہ قرآن ہی میں طلاق کو آخری چارۂ کار کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے ، جب کہ اس سے پہلے ناچاقی کی صورت میں زوجین کے درمیان مفاہمت ومصالحت کی تدبیریں تجویز کی گئی ہیں اور اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر دونوں نیک نیتی سے کام لیں تو بعض اختلافات ومکروہات کے باوجود اپنے بگڑے ہوئے تعلقات بنا سکتے اور عقد نکاح کے اندر رہ کر زندگی گزار سکتے ہیں ، بلکہ ایسی زندگی میں برکت کی امید دلائی گئی ہے ۔بہرحال ، اگر بالکل ضروری ہو جائے تو زوجین کو تلقین کی گئی ہے ، خاص کر مرد کو تاکید کی گئی ہے ، کہ وہ شائستگی سے علاحدہ ہو جائیں اور اس کے بعد بھی جہاں تک ممکن ہو آپس میں حسن سلوک سے کام لیں ، خاص کر اولاد کے معاملے میں کوئی جھگڑا نہ کریں ، ان پر دونوں کے حقوق اور ان کے لیے دونوں کے فرائض ہیں ، جن کی ادائیگی دونوں کو کرنی ہے ، جب کہ سابق شوہر کو سابقہ بیوی کے حقوق کا زیادہ لحاظ کرنا ہے ۔بیوی سے علاحدگی کے لیے جس طرح شوہر کو طلاق کی سہولت دی گئی ہے ، گرچہ اس کے معقول آداب بھی بتا دیے گئے ہیں ، اسی طرح شوہر سے علاحدگی کے لیے بیوی کو بھی خلع کی سہولت دی گئی ہے ، خواہ وہ باہمی راضی نامہ کی صورت میں ہو یا بہ زور قانون ۔تمام مصالحانہ کوششوں کے باوجود بناؤ نہ ہونے کی حالت میں نہ تو شوہر زبردستی بیوی کو اپنے گھر میں روک کر رکھ سکتا ہے ، نہ بیوی شوہر پر جبراً مسلط رہ سکتی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر طلاق کی آسانی ختم کر دی جائے تو حسن معاشرت باقی نہیں رہے گا اور پورا خاندان نیز سماج متصادم زوجین کا جہنم کدہ بن جائے گا ، گھر کا سارا سکون رخصت ہو جائے گا ، ازدواجی زندگی تباہ ہو جائے گی اور اولاد مایوس و بے زار۔

مرد جب ایک عورت سے نکاح کرتا ہے تو دو گواہوں کی موجودگی میں ، مہر کی قرارداد

کے ساتھ، باضابطہ و علانیہ بیوی اور اولاد کے نفقہ و کفالت کی تمام ذمہ داریاں قبول کر کے۔ اس سلسلے میں فریقین کا ایجاب و قبول باہمی رضامندی پر مبنی ہوتا ہے، جس کے بغیر شرعاً کوئی رشتہ قایم نہیں ہوتا۔ چنانچہ بیوی جب تک بیوی ہے، تمام خاندانی اخراجات شوہر ادا کرے گا۔ خود عقدِ نکاح کے معاملے میں سارا مال و متاع شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے، جب کہ بیوی کی طرف سے کسی قسم کے ادنیٰ خرچ کا بھی کوئی جواز نہیں نہ تو شوہر کو برات لاکر بیوی کے سرپرست کو اخراجات پر مجبور کرنا ہے، نہ اسے بیوی کی جانب سے کوئی جہیز لینا ہے اور نہ خود شوہر کو بھی بری کا تکلف نہیں کرنا ہے۔ اوّل تو اسے نفقہ کی ذمے داری قبول کر کے فریضۂ مہر کی ادائگی کا رقم کی تعیین کے ساتھ اقرار کرنا ہے، دوم اگر اس کی استطاعت ہو تو اس کے مطابق اسے سنت ولیمہ ادا کرنی چاہیے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بیٹیوں کے علاوہ حضرت فاطمہ زہراؓ کو بھی ہرگز کوئی جہیز نہیں دیا تھا۔ بلکہ حضرت علیؓ کے بھی سرپرست ہونے کی وجہ سے ان سے ہی مہر کی رقم وصول کر کے اس کے ذریعہ ان کا گھر بسانے کا معمولی انتظام کر دیا تھا۔ بہرحال طلاق کے بعد جب بیوی بیوی نہیں رہ جاتی ہے تو شوہر شوہر نہیں رہنے کے بعد اس کی کفالت کا ذمہ دار نہیں ہوتا اور اس پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہو سکتا۔ البتہ مطلقہ کا مہر اس کا اپنا مال ہے اس کے علاوہ حالتِ زوجگی میں شوہر نے بیوی کو جو کچھ بھی جگہ، زمین، دولت، زیور، جواہر وغیرہ دیے ہوں وہ سب عورت کی ملکیت ہیں اور سابق شوہر ان میں سے کسی چیز کا ایک ذرہ بھی واپس نہیں لے سکتا۔ پھر عورت اپنے والدین، اولاد اور بعض حالات میں بھائی بہن کے اموال میں متعین ورثے کی حق دار ہے، جب کہ زوجیت کی حالت میں اس کے سارے اخراجات کی ذمہ داری شوہر ہی پر ہوتی ہے۔ طلاق کے بعد بھی اس کا عقدِ ثانی نہ صرف ممکن بلکہ مطلوب و مرغوب ہے۔ سن رسیدہ عورتوں کی اولاد پر بھی اُن کی خدمت و کفالت فرض ہے۔ اُن کے تمام اولیا جو اُن کے ورثا ہیں اُن کی کفالت کے ذمہ دار ہیں۔ شادی کے بعد عورت کا رشتہ اپنے پیدائشی خاندان سے منقطع نہیں ہوتا اور اس رشتے کے سارے تحفظات اسے ہر حال میں حاصل رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اصول وراثت میں جہاں عورت کا حق مقرر کر دیا گیا ہے وہاں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ وراثت میں ایک مرد کا حق دو عورتوں کے برابر ہے (للذکر مثل حظ الانثیین) تاکہ مرد کے ساتھ بھی انصاف ہو، ورنہ اگر عورت کا سارا خرچ برداشت کرنے کے بعد بھی مرد کو وہی حصہ ملتا ہے جو عورت کا ہے تو یہ نابرابری ہوتی اور مرد پر ظلم ہوتا۔ واقعہ

یہ ہے کہ جنس کے معاملات میں اگر اسلام نے مرد کو کچھ ترجیحات دی ہیں تو عورت کو تحفظات بھی دیے ہیں اور اس طرح دونوں کے درمیان حقیقی مساوات اور عدل سے کام لیا ہے۔ ترجیحات وتحفظات کا یہ توازن فطرتِ انسانی کے مطابق ہے اور صدیوں کا تاریخی تجربہ بھی اس کی معقولیت وافادیت پر دلالت کرتا ہے، جب کہ فطرت اور تجربے کے خلاف عصرِ حاضر کے مغربی معاشرے میں جو کچھ کیا گیا ہے وہ دونوں جنسوں پر صریح ظلم اور پورے سماج کے لیے تباہ کن ثابت ہوا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن کا قانونِ معاشرت خدا کا بنایا ہوا ہے اور مبنی برصداقت ہے، لیکن خالص دنیوی قوانینِ انسان کے بنائے ہوئے ہیں اور محض فریبِ نفس ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی انسانی منصوبہ بندی نہیں ہے، ایک ایسی میکانکی منصوبہ بندی ہے جس میں انسان کو حیوان فرض کرکے اس کی آبادی پر پابندی لگانے کی کوشش کی جاتی ہے، تاکہ موجودہ انسانوں کی معاشی فارغ البالی کا ایک مزعوم معیار قایم ہو یا قایم رہے۔ اس مقصد کے لیے گھوڑوں اور گدھوں کی طرح آدمیوں کے آلۂ تناسل کو مسخ کیا جاتا ہے یا ان کے فطری نظامِ جسمانی میں مصنوعی طریقوں سے خلل ڈالا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جو معاشی سوالات درپیش ہیں ان پر الگ سے گفتگو کی ضرورت ہے۔ بروقت یہ اشارہ کافی ہوگا کہ موجودہ معاشی نظاموں میں پیداوار اور اس کی تقسیم کے درمیان کوئی توازن نہیں پایا جاتا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو تمام معاشی وسایل پورے طور سے فراہم کیے جا رہے ہیں نہ ان کا صحیح مصرف انصاف کے ساتھ لیا جا رہا ہے۔ کچھ افراد اور بعض طبقات وسایلِ معیشت کے اجارہ دار بن کر اپنی عیاشی اور اپنے اقتدار کے لیے عوام الناس کا استحصال کر رہے ہیں۔ سرمایہ پرستی کی لعنت اشتراکی وغیر اشتراکی دونوں سماجوں پر مسلط ہے، کہیں اشخاص سرمایہ دار ہیں اور کہیں ریاست، بلکہ دونوں جگہ حقوق یافتہ حلقے اجارہ داری کر رہے ہیں۔ یہی وہ طاقت ور حلقے ہیں جو اپنے اقتدار کے بل پر اور اس کو ہمیشہ قایم رکھنے کے لیے ضبطِ ولادت کے نامراد منصوبوں پر وہ دولت بری طرح بہا رہے ہیں جو فلاحی کاموں کے لیے استعمال کی جاتی تو عوام کی پریشانیوں میں بہت کچھ کمی آتی۔ قصہ یہ ہے کہ آج کے نام نہاد ترقی یافتہ مرد اور عورت کو عیّاشی کی لت لگ گئی ہے، لہٰذا صرف اپنی عشرتوں کے لیے یہ لوگ اپنی آیندہ نسلوں تک کو غارت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور خود بھی ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔

یہاں ایک سیاسی سوال اٹھتا ہے جس پر بحث کا یہ موقع نہیں، لیکن کیا آج دنیا کا

ہر چھوٹا بڑا ملک اپنی قومی آمدنی کا جتنا بڑا حصّہ دفاع کے نام سے جنگ کے اسلحے فراہم کرنے پر صرف کر رہا ہے اگر اس کا نصف بھی فلاح عامہ پر صرف کیا جائے تو قلت وسایل کے سبب آبادی کو کم کرنے کے لیے شرمناک طریقے اختیار کرنے کی ضرورت باقی رہ جائے گی؟ بہرحال، افلاس کے خوف سے قتل اولاد وہ قدیم جاہلانہ رسم ہے جس پر قرآن نے انسان کو اس طرح خبردار کیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ	اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل
اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ	نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور
اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝	تمھیں بھی بلاشبہ ان کا قتل بڑی غلطی ہے
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً	تم زنا کے قریب نہ جاؤ، وہ ایک بدی
وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۲-۳۱)	ہے اور بہت ہی برا راستہ۔

ضبط ولادت صریحاً قتل اولاد ہے، اس لیے کہ اس کے ذریعے بچوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی مار دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ایک اجتماعی نسل کشی ہے اور اس کا ارتکاب کرنے سے جنس کا سب سے بڑا مقصد یعنی تحفظ نسل فوت ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے قتل اولاد کے ساتھ ساتھ زنا کے قریب جانے سے بھی منع کیا۔ آئے دن کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضبط ولادت کے مصنوعی طریقہ مرد و زن کے تعلقات میں ایسی پیچیدگیاں پیدا کر رہے ہیں کہ بعض اوقات تحفظ نسل مشتبہ ہو جاتا ہے اور زنا کے راستے کھل جاتے ہیں، اس لیے کہ نکاح کی وہ بندش ڈھیلی پڑ جاتی ہے جو بچے کی پیدائش سے وابستہ ہے اور شادی شدہ زندگی میں آزاد جنسی تعلق سے روکنے والا اس فعل بد کا فطری نتیجہ باقی نہیں رہتا۔ فقط معیار رہایش کے لیے ضبط ولادت زندگی کے کسی اعلیٰ نصب العین کا مقصد نہیں ہو سکتا۔ اس کا مقصود محض عیّاشی ہے، لہٰذا اس پر کاربند ہونے والے مرد و زن سے اخلاقی ضوابط کے لحاظ کی توقع نہیں کی جاتی۔ برتھ کنٹرول انسانی انا کی قیمت پر اول حیوانی جبلت معاش کی تسکین ہے، دوسرے جبلت جنس کی بے قید تسکین کا سامان ہے۔

قرآن کا تصورِ جنس ایک ازلی صداقت پر مبنی ہے۔ عیسائیوں کے گناہ اولین کے بالکل غلط اور بے بنیاد عقیدے کے برخلاف، انسان سے جنت میں نافرمانی رب کا ایک گناہ ضرور سرزد